امریکی بدمعاشی کے آخری دس سال

سہیل لون

امریکہ جو جمہوریت کا بڑا علمبردار ہونے کا دعویدار ہے۔اپنے سمیت ساری دنیا میں جمہوری نظام رائج کرنے کا خبط لیے نگر نگر گھوم رہا ہے ۔اقوام متحدہ کا اہم ترین رکن بلکہ اقوم متحدہ ہونے کی وجہ سے امن کی مشعل اٹھا کر اکثر دوسرے ممالک میں اجازت اور بغیر اجازت پھرتا دکھائی دیتا ہے۔ بالخصوص جہاں قدرتی ذخائر ،ایٹمی تنصیبات یا تیل ہو وہاں نیٹو فورس یوں پہنچ جاتی ہے جیسے ولیمے کا لشکر ہو۔ یہ کھلی حقیقت ہے کہ امریکہ نے جمہوریت کا راگ الاپنے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ آمریت اور آمروں سے جمہوری حکومتوں کی نسبت بہتر تعلقات استوار رکھے۔مملکت خداداد میں ایوب خان ،ضیاءالحق ،یحیی خان اور مشرف کے ادوار کو اگر جمہوری حکومتوں سے موازنہ کیا جائے تو اس تضاد کا پتہ چل جاتا ہے کہ کن حکومتوں میں امریکی امداد کا گراف ناتوان بوڑھے کی کمر کی مانند جھکا ہوا اور کسی کے عہد میں فرعون کی طرح تنا ہوا تھا؟ ہر آمر کے دور میں امریکہ نے اپنے مفادات زیادہ حاصل کیے۔ 9/11 سانحہ کے بعد دنیا میں جو لفظ سب سے زیادہ استعمال کیا گیا وہ " دہشت گردی" کا ہے۔امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے جب دہشت گردی کے خلاف جنگ کا اعلان کیا تو مشرف کی دور اندیشی ،کرم نوازی اور امریکی وفاداری سے پاکستان بھی اتحادیوں کی فہرست میں شامل ہو گیا۔دہشت گردی کے خلاف یہ جنگ جو اب دہشت گردی یا دہشت گردوں کی جنگ بن گئی ہے اس میں سب سے زیادہ پاکستان متاثر ہوا ہے۔ 9/11 میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد تقریباً 3500 تھی مگر ہمارے ملک میں ہلاکتوں کی تعداد اب تک 35000 سے بھی تجاوز کر چکی ہے۔پاکستانیوں اور پاکستان کی معشیت کی قربانیوں کا یہ نہ رکنے والا سلسلہ ابھی تک جاری و ساری ہے۔ جس کے ختم ہونے کے کوئی واضح آثار دور دور تک نظر نہیں آ رہے.....!پاکستان کی شمالی سرحد جو ہمیشہ سے محفوظ تصور کی جاتی تھی جہاں کبھی اضافی فوج تعینات کرنے کا سوچا تک نہ تھا۔اس علاقے کا قدرتی حسن اور دلکش مناظر پاکستان اور باہر سے آنے والوں کے لیے باعث کشش تھے۔ جہاں کبھی ہواؤں میں پھولوں اور پھلوں کی مہک محسوس کی جاتی تھی آج وہ فضاء بارود کی بو سموئے نوحہ کناں ہے۔جس جنت نظیر میں پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں آتی تھیں اب ادھر بم دھماکوں کی لرزہ خیز آوازیں سنائی دیتی ہیں۔جو سرسبز اور شاداب وادیاں ہر آنے والے کو سبز ارنگ دکھا کر خوش آمدید کہتی نظر آتی تھیں گویا یہ سبز لباس نہیں امن و سلامتی کا ایک نشان ایک ایسا نشان ہے جو گنبد خضراء سے ہوتا ہوا ہمارے پرچم اور ہماری زندگیوں تک میں شامل ہو چکا ہے۔مگر اس سبز لباس کو معصوم لوگوں کے لہو سے اس قدر سرخ کر دیا گیا ہے کہ اب یہاں آنے والوں اور یہاں کے مکینوں کے لیے صرف خطرے کی سرخ جھنڈی ہی لہلاتی نظر آتی ہے۔ یہاں کے مقامی شروع سے ہی مذہب ،ثقافت ،روایات ،رسوم کے معاملات میں بڑے بنیاد اور انتہا پرست ہیں۔یہ بھی سچ ہے کہ بنیاد پرستی یا انتہا پرستی کسی بھی جگہ اچھی نہیں مگر بنیاد پرست یا انتہا پسند ہونا کوئی گناہ یا جرم بھی نہیں۔9/11 کے واقعے کے بعد مغربی میڈیا نے دنیا میں ایسا پرچار کیا کہ انتہاء پسند یا بنیاد پرست مسلمانوں کو بھی دہشت گردوں کے ساتھ ملا دیا گیا۔جس کا اثر پوری دنیا کے مسلمانوں نے محسوس کیا۔یورپ کے بہت سے ممالک میں خاص طور پر داڑھی والے مسلمانوں کو

کام کے دوران کافی مشکلات پیش آئیں۔ کچھ نے تو اپنی داڑھی چھوٹی کردی یا پھر ختم تا کہ ان پر انتہا پسندی اور دہشت گردی کی چھاپ نہ لگ جائے۔ دوسری طرف اگر دیکھا جائے تو دنیا میں ہر مذہب اور ملک میں انتہا ءپسند اور بنیاد پرست موجود ہوتے ہیں۔ان میں ہندو، مسلم، عیسائی، یہودی، پارسی سب ہی شامل ہیں۔مگر صرف مسلمان کی شخصیت کو مشکوک کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ امریکی میڈیا کے تمام روح رواں جو یہودی بنیاد پرست ہیں ان کی ہر بات کو جو مسلمانوں کے خلاف ہو بائبل کا درجہ دیا جاتا ہے۔ یہ انتہاءپسندی کسی کو نظر کیوں نہیں آتی؟ پاکستان اور افغانستان میں بنیاد پرستوں اور انتہاءپسندوں کو اپنے مفادات کی خاطر عسکریت پسند بنایا جو مذکورہ اہداف حاصل کرنے کے بعد دہشت گرد قرار دے دیئے گئے مگر ان کو دہشت گرد بنانے والا کون ہے؟ دہشت گردی کی تعریف کیا ہے؟ دہشت گرد بنانے والے کو کیا کہنا چاہیے؟ کیا امریکہ اور اُس کے حواری دہشت گردی کی تعریف پر پورے اترتے ہیں؟

امریکہ کا رویہ ہمیشہ سے جارحانہ رہا ہے اور ہر معاملے میں معیار بھی دوہرا......! اگر کوئی اسلامی ملک ایٹمی طاقت بنے یا بننے کو کوشش کرے تو اس پر اقتصادی پابندیاں لگائی جاتی ہیں اس سے بھی تسلی نہ ہو تو جارحیت کا مظاہرہ بھی سفاکی سے کیا جاتا ہے۔ امریکہ خود بھی تو ایٹمی طاقت ہے اور ساری دنیا میں اسلحہ و بارود کا سب سے بڑا ڈیلر بھی۔ انڈیا اور اسرائیل کے لیے ضوابط کچھ اور...... پاکستان اور ایران کے لیے معیار کچھ اور......! ریمنڈ ڈیوس اور ڈاکٹر عافیہ کے واقعہ میں بھی اس کا دہرا معیار عیاں ہوا۔ کشمیر اور فلسطین میں جو ظلم و بربریت ہو رہی ہے اس میں ''امن کی اس فاختہ'' نے بچہ دینا تو دور کی بات کبھی انڈہ دینا بھی گوارہ نہیں کیا مگر افغانستان، عراق اور پاکستان میں اپنے پکے گھونسلے بنانے کا پلان مکمل کر چکا ہے۔ امریکہ اپنے شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کے لیے اصول بناتا ہے مگر دوسرے ممالک میں بھی انسان بستے ہیں اس کیلئے شاید ہمیں اتنی دیر تک پھر انتظار کرنا ہوگا جب تک دنیا یک ستونی سے دوستونی نہیں ہو جاتی۔ اس بے رحم قاتل کو کوئی یاد دلانے کا حوصلہ بھی نہیں کرتا کہ دنیا میں انسانوں کے بنیادی حقوق یکساں ہیں۔ یہ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا کہ امریکی فوج اپنے شہریوں پر گولیاں برسا رہی ہو۔ مگر دوسرے ملکوں کی افواج سے اس خواہش کا اظہار برملا کیا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے کوئی " انکار " کی جرات کر کے ''روزی'' میں برکت کو کم نہیں کرنا چاہتا۔ دہشت گردی کی اس جنگ میں بھی اپنی جارحانہ اور آمرانہ حکمت عملی کا تسلسل برقرار رکھا گیا ہے۔ اب تو حالات یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ امریکی دھمکیوں کی وجہ سے پاکستان کو آل پارٹیز کانفرس کا انعقاد کرنا پڑا۔ مگر جب تک ہم امریکہ کو اپنا "ان داتا" سمجھتے رہیں گے تو ایسی اے پی سیز کا کوئی فائدہ نہیں۔ چھ دہائیوں سے امریکی امداد لے کر بھی اگر عوام لوڈشیڈنگ، بے روزگاری، مہنگائی اور صحت و تعلیم کی بنیادی سہولتوں کو ترس رہی ہے تو کیوں نہ پانچ سال کے لیے اس امداد کو خود پر حرام کر کے دیکھیں۔ ویسے ایسا کرنے سے عوام کو تو کوئی فرق پڑے گا نہیں کیونکہ یہ امداد ہمیشہ ان تک پہنچنے سے قبل ہی مخصوص طبقات میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ہمارا سب سے بڑا المیہ ہی یہ ہے کہ جمع بالا دست طبقات کرتے ہیں اور تقسیم عوام ہو جاتے ہیں۔ امداد کو تو جس طبقے نے اپنے اوپر حلال کیا ہے بھلا وہ " نمک حرامی " کا مظاہرہ کرنے سے کیسے باز رہ سکتے ہیں اگر پانچ سال امداد کے بغیر لوڈشیڈنگ، مہنگائی یا بے روزگاری میں کمی نہ بھی ہو تو کم سے کم امداد کے بغیر جینے کی عادت تو پڑ جائے گی اور یہ خوف بھی دل سے نکل جائے گا کہ ہم امداد کے بغیر جی نہیں سکتے۔ سب سے بڑھ کر خود انحصاری اور خودداری سے سر اٹھا کر جینے کی عادت بھی پڑ جائے گی کیونکہ جھکے ہوئے سر اپنے قدموں سے

آگے نہیں دیکھ سکتے جو ترقی کی منزل طے کرنے کا واحد راستہ ہے۔ ویسے بھی امریکی امداد اور ہماری قربانیوں کے پلڑوں میں توازن نہیں اور اب یہ کبھی ہو بھی نہیں سکتا۔ سوچنا چاہیے کہ اپنے آپ کو دہشت گردی کی اس جنگ سے کیسے آزاد کروانا ہے۔ جس کے لیے سب سے ضروری ہے کہ ہم ملکی و قومی مفادات کو سامنے رکھ کر تمام فیصلے خود کریں۔ جمہوریت کا علمبردار امریکہ جتنی مرضی ڈکٹیشن یا دھمکی دے مگر اصولوں پر سودے بازی نہ کی جائے۔ امریکہ تو خود زوال پزیر ہو رہا ہے۔ سپر پاور ہونے کا دعوی دار امریکہ کو یہ علم ہونا چاہے کہ مسلمانوں کے نزدیک سپر پاور صرف اور صرف اللہ تعالی کی بزرگ ترین ذات ہے۔ ہمیں صرف اندرونی معاملات ٹھیک کرنے ہونگے۔ پھر ہی ہم اپنے آپ کو مضبوط کر سکیں گے۔ جس طرح جسم کے اندر کمزوری ہو تو قوت مدافعت کم ہو جاتی ہے اور معمولی سے معمولی وبا ، یا بیماری بھی جان لیوا ہو سکتی ہے اسی طرح اگر ہم داخلی معاملات میں کمزور ہو جائیں گے تو خارجی قوتیں آسانی سے حملہ آور ہو سکتی ہیں۔ داخلی معاملات کے بعد اپنے ہمسایہ ممالک سے تعلقات میں بہتری لانے کی ضرورت ہے۔ اگر ہمیں ہمسایہ ممالک کا اعتماد حاصل ہو جائے تو دفاعی اخراجات میں کمی کر کے اس کو عوامی بہبود کے لیے خرچ کیا جا سکتا ہے۔ صرف ہمسایہ ممالک سے تعلقات کو بہتر کر لیا جائے تو امریکہ کی اس خطے میں قدرتی وسائل پر قبضہ کرنے کی خواہش کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ ویسے بھی اس دہائی کے آخر تک امریکہ کی نام نہاد سپر پاور کی بالا دستی ختم ہونے کو ہے۔ اسی اٹل حقیقت سے امریکہ جان چھڑانا چاہتا ہے۔ مگر ہر عروج را زوال.....!!!!

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

05/10/2011